الفاظ استعمال کئے ہیں: "عاشق قرآن، حامی سنت اور ناصر الاسلام والمسلمین"

آپ کے بعض شاگردوں کے نام یہ ہیں: مولانا احمد حسن، مولانا عبدالغفور ریگوی اور مولانا ندوی صاحب۔ آپ نے اپنے دولت کدے پر متعدد عزیزوں اور احباب جماعت کو ناظرہ قرآن اور ترجمہ پڑھایا۔ بعض شوقین عزیزوں نے آپ سے ذخیرۃ الملوك کا بھی درس لیا۔ مولانا ندویؒ کے بقول فارسی پر آپ کو عبور حاصل تھا۔

مولانا صاحب کو علمائے کرام کی میزبانی سے بے حد دلچسپی رہی، آپ کے دیرینہ رفیق بابا عبدالشکور چھنی گوند کی روایت کے مطابق علمائے حق کی تشریف آوری پر آپ باغ باغ ہو جاتے، لبوں پر مسکراہٹ اور باتوں میں مسرت وانبساط کی وہ گھلاوٹ ہوتی جس کی تصویر کشی ناممکن ہے۔ مولوی ثناءاللہ بن شیخ عبدالصمد کی روایت کے مطابق مولانا صاحب امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں بے حد تیز تھے، آپ کے دور میں لوگ نماز کے وقت چوپال پر بیٹھنے سے گریزاں رہتے، بسا اوقات کچھ لوگ چوپال پر بیٹھے ہوئے نظر آئے تو آپ نے ان کی خوب پٹائی کی۔ اس کا اثر تھا کہ لوگ جماعت میں شریک ہوتے اور چوپال پر گپ بازی سے گریزاں رہتے۔ مولانا کی تقوی شعاری کا یہ حال تھا کہ آپ نے صرف ایسے لوگوں کی دعوت قبول فرمائی جو حلال کمانے کے خوگر تھے۔

مولانا محمد موسیٰؒ، مفتی کریم بخشؒ، حافظ عبدالرحمٰن جھوربیؒ، سادات کریسؒ، مولانا قمرؒ، مولانا محمد یونس گنتھاویؒ اور مفتی عبدالقادر ریگویؒ کے ساتھ آپؒ کے بہت اچھے تعلقات تھے۔

مولانا موصوف بلند و بالا قد والے اور خوبصورت نقش ونگار سے آراستہ بزرگ تھے۔ 1945 میں آپ کے ہاتھ میں ایک پھوڑا نکل آیا جو علاج معالجے کے باوجود مندمل نہ ہوسکا اور اسی سال داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے استاذ اور بزرگ رفیق مولانا عبدالصمدؒ کے پہلو میں آسودہ خاک ہوئے۔ مولانا صاحب کی وفات سے جماعت ایک بابرکت ہستی، عالم باعمل اور ایک عظیم مدبر سے محروم ہوگئی۔

کوئی نالاں ، کوئی گریاں ، کوئی بسمل ہو گیا
اس کے اٹھتے ہی دگرگوں رنگِ محفل ہو گیا

مولانا صاحبؒ کے دو بیٹے اور بیٹیاں تھیں۔ فرزند اکبر شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید ندویؒ نے 2000 کے آخر میں وفات پائی۔ دو بیٹیاں بھی وفات پا گئیں اور دو بیٹے بقید حیات ہیں۔

تقابل ادیان: 3

# محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارت بائبل میں

مقالہ نگار: ابراہیم عبداللہ یوگوی

## فارقلیط ہونے کا دعویٰ اور نبی کا انتظار:

نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی کچھ لوگوں نے فارقلیط ہونے کا دعویٰ کیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے جس نبی کی بشارت دی تھی اس کے لئے آپ نے احمد یا محمد یا فارقلیط (معرب) استعمال کیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مدعیان نبوت اپنے آپ کو فارقلیط نہ کہتے۔ جیسا کہ آج کل کے مدعیان نبوت اپنے آپ کو مسیح یا مہدی موعود کہلاتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد موجود ہے۔ چنانچہ مولانا رحمت اللہؒ لکھتے ہیں:

ان البعض ادعوا قبل ظهور محمد ﷺ انهم مصاديق لفظ فارقليط ، مثلاً (منتنس المسيحى) الذى كان فى القرن الثانى من الميلاد، و كان مرتاضاً شديداً و اتقىٰ فى عهده. ادعى فى قرب سنة ١٧٧ من الميلاد فى آسيا الصغرى الرسالة و قال: انه هو الفارقليط الموعود به الذى وعد بمجيئه عيسىٰ عليه السلام، وتبعه أناس كثيرون فى ذلك كما هو مذكور فى بعض التواريخ، و ذكر وليم ميور حاله و حال متبعيه فى القسم الثانى من الباب الثالث من تاريخه باللسان الأردية المطبوع سنة ١٨٤٨ من الميلاد هكذا :ان البعض قالوا :إنه ادعى أنى "فارقليط" يعنى المعزى روح القدس، و هو كان اتقىٰ مرتاضاً شديداً ولأجل ذلك قبله الناس قبولا زائدا. فعلم أن انتظار" فارقليط" كان فى القرون الأولىٰ المسيحية أيضاً، و لذلك كان الناس يدّعون أنهم مصاديقه، و كان المسيحيون يقبلون دعاويهم.(١)

"کچھ لوگوں نے ظہور محمدی سے قبل اس امر کا دعویٰ کیا کہ لفظ "فارقلیط" کا مصداق ہم لوگ ہیں۔ مثلاً دوسری صدی عیسوی میں مونٹینس (Montanus) نامی عیسائی نے جو بڑا ریاضت گزار، عابد اور اپنے زمانے کا سب سے بڑا متقی تھا، ایشیائے کوچک میں ۱۷۷ء کے قریب دعویٰ کیا کہ "فارقلیط موعود" جس کے آنے کا وعدہ عیسیٰ علیہ السلام کر گئے ہیں میں ہی ہوں اور بہت سے لوگ اس کے متبع ہو گئے۔ جیسا کہ تواریخ میں مذکور ہے۔ ولیم میور نے بھی اپنی تاریخ بزبان اردو مطبوعہ ۱۸۴۸ء کے باب ۳ میں اس کا اور اس کے ماننے والوں کا حال اس طرح بیان کیا ہے کہ: "کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ اس نے اپنے متعلق "فارقلیط" ہونے

---

(۱) اظهار الحق ج ٤ ص ١١٨٨

کا دعویٰ کیا تھا، یعنی "منسوب ہونے والی پاک روح" یہ شخص بڑا متقی اور بہت ریاضت کرنے والا تھا، اسی لئے اس کو قبول عام حاصل ہوگیا۔" اس سے پتہ چلتا ہے کہ فارقلیط کی آمد کا انتظار ابتدائی عیسوی صدیوں میں بڑی شدت کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔ اور اسی لئے لوگ اس کا مصداق ہونے کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور بہت سے لوگ ان کے دعویٰ کو قبول بھی کر لیتے تھے۔

لب التواریخ کا مصنف کہتا ہے: "محمد ﷺ کے زمانے کے یہودی اور عیسائی بھی ایک نبی کی آمد کے منتظر تھے، اس چیز سے محمد ﷺ کو بڑا فائدہ پہنچا کیونکہ آپ ﷺ نے بھی یہی دعویٰ کیا کہ میں ہی وہ نبی ہوں جس کا انتظار کیا جا رہا تھا"۔(۱)

اس کے کلام سے بھی یہ بات معلوم ہوگئی کہ حضور ﷺ کے زمانے میں بھی اہل کتاب ایک نبی کے منتظر تھے جو سچا ہوگا، کیونکہ نجاشی شاہ حبش کے پاس جس وقت رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک پہنچا تو اس نے فوراً کہا "میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ وہی نبی ہیں جن کے اہل کتاب منتظر تھے۔" اور جواب میں آپ ﷺ کو تحریر کیا:

بسم الله الرحمٰن الرحیم

الی محمد رسول الله     من النجاشی أصحمة

سلام علیک یا نبی الله من الله و رحمة الله و بركاته ، و الله الذی لآ اله الا هو ، أما بعد:

فقد بلغنی كتابک یا رسول الله فیما ذكرت من أمر عیسی علیه السلام ، فورب السماء و الارض ، ان عیسی لا یزید علی ما ذكرت تفروقا، انه كما قلت ، و قد عرفنا ما بعثت به الینا ، و قد عرفنا ابن عمک و أصحابک، فأشهد أنک رسول الله صادقاً مصدقاً وقد بایعتک ، و بایعت ابنَ عمک، و أسلمت علی یدیه لله رب العالمین.(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی خدمت میں     نجاشی اصحمہ کی طرف سے

اے اللہ کے نبی آپ پر اللہ کی طرف سے سلام اور اس کی رحمت اور برکت ہو، وہ اللہ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اما بعد:

اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے آپ کا گرامی نامہ ملا جس میں آپ نے عیسیٰ (علیہ السلام) کا معاملہ ذکر کیا ہے، آسمان اور زمین کے رب کی قسم! آپ نے جو کچھ ذکر فرمایا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے ایک تنکہ بڑھ کر نہ تھے۔ وہ ویسے ہی ہیں جیسے آپ نے ذکر فرمایا ہے۔ پھر آپ نے جو کچھ ہمارے پاس بھیجا ہے ہم نے اسے جانا آپ کے چچا زاد بھائی اور آپ کے صحابہ کی مہمان نوازی کی اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، میں نے آپ ﷺ سے اور آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی (یعنی جعفر

---

(۱) ابو عبد الله محمد بن بكر بن ايوب المعروف بابن القیم ، زاد المعاد ج ۳ ص ۶۱

بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) سے بیعت کر لی ہے اور ان کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لئے اسلام قبول کیا ہے۔"

یہ اصحمہ نجاشی پہلے نصرانی تھا، رسول اللہ ﷺ نے سنہ 6 ہجری کے آخر یا 7 ہجری کے شروع میں عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ کے ساتھ دعوت اسلام کا رقعہ بھیجا، جسے پڑھنے کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔

اسی طرح قبطیوں کے سردار مقوقس نے رسول اللہ ﷺ کے نامہ مبارک کے جواب میں لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**لمحمد بن عبد الله من المقوقس عظيم القبط**

**سلام عليك، أما بعد: فقد قرأت كتابك و فهمت ما ذكرت فيه و ما تدعو اليه . و قد علمت أن نبيا بقي و كنت أظن أنه يخرج بالشام، و قد أكرمت رسولك ، و بعثت اليك بجاريتين۔ لهما مكان في القبط عظيم۔ و بكسوة ، و أهديت اليك بغلة لتركبها ، و السلام عليك. (۱)**

"یہ خط محمد بن عبداللہ ﷺ کے نام ہے مقوقس شاہ قبط کی طرف سے

آپ پر سلام ہو۔ اما بعد' میں نے آپ کا خط پڑھا' اور جو مضمون اس میں لکھا تھا اس کو سمجھا' اور جس چیز کی آپ نے دعوت دی ہے اس کو بھی سمجھ لیا' مجھے معلوم تھا کہ ایک نبی باقی ہے جو آنے والا ہے' مگر میرا خیال تھا کہ وہ ملک شام میں مبعوث ہوگا۔ میں نے آپ ﷺ کے بھیجے ہوئے قاصد کا اعزاز و اکرام کیا، اور آپ کی خدمت میں دو لونڈیاں بھیج رہا ہوں جنہیں قبطیوں میں بڑا مرتبہ حاصل ہے اور ایک کپڑا بھیج رہا ہوں اور آپ کی سواری کے لئے ایک خچر بھی ہدیہ کر رہا ہوں، اور آپ پر سلام۔"

یہ دو لونڈیاں ماریہ قبطیہؓ اور سیرینؓ تھیں۔ ماریہؓ نبی کریم ﷺ نے اپنے پاس رکھا اور انہی کے بطن سے آپ کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور سیرینؓ آپ نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عطیہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خچر کا نام دُلدُل تھا جو کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے تک باقی رہا۔

یہ مقوقس عیسائی تھا، اس نے اگرچہ اسلام نہیں لایا' مگر اس نے اپنے خط میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ مجھے یقین تھا کہ ایک نبی باقی ہے' اور وہ آنے والا ہے۔ یہ بھی مصر کا بادشاہ تھا، جس طرح نجاشیؒ حبشہ کا بادشاہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت ان دونوں بادشاہوں کے لیے رسول اللہ ﷺ سے ڈرنے کا کوئی امکان نہ تھا، کیونکہ آپ ﷺ کو کوئی دنیوی شوکت اس وقت حاصل نہ تھی۔ اس کے باوجود وہ اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ واقعی ایک نبی کو آنا تھا اور ان کو یہ بات ان کی کتاب انجیل سے ہی معلوم ہوئی کہ ان کے نبی عیسی علیہ السلام نے اس آخری نبی کی آمد کی خوشخبری دی تھی۔

جب قیصرِ روم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسلام قبول کرنے کی دعوت پہنچی تو اس نے بھی یہ اقرار کیا کہ واقعی

مجھے معلوم تھا کہ وہ نبی آنے والا ہے، اگر میں اس کے پاس پہنچ سکتا تو میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا اور اگر میں اس کے پاس ہوتا تو میں اس کا پاؤں دھوتا۔ پورا واقعہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے:"(۱)

سردارِ قریش ابوسفیان بن حرب (رضی اللہ عنہ) نے ان سے بیان کیا کہ ہرقل (شاہِ روم) نے ان کو قریش کی ایک جماعت سمیت بلوایا۔ یہ جماعت صلح حدیبیہ کے تحت رسول اللہ ﷺ اور کفارِ قریش کے درمیان طے شدہ عرصۂ امن میں ملک شام تجارت کے لئے گئی ہوئی تھی۔ یہ لوگ ایلیاء (بیت المقدس) میں اس کے پاس حاضر ہوئے۔ ہرقل نے انہیں اپنے دربار میں بلایا' اس وقت اس کے گرد اگرد بڑے بڑے لوگ تھے۔ پھر اس نے ان کو اور اپنے ترجمان کو بلا کر کہا کہ یہ شخص جو اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے' اس سے تمہارا کون سا آدمی سب سے زیادہ قریبی نسبی تعلق رکھتا ہے؟ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے کہا'' میں اس کا زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں۔'' ہرقل نے کہا: اسے میرے قریب کردو۔ اور اس کے ساتھیوں کو اس کے پیچھے بٹھا دو۔ پھر ہرقل نے اپنے ترجمان کے ذریعے کہا: میں اس شخص سے اُس آدمی (نبی کریم ﷺ) کے متعلق سوالات کروں گا۔ اگر یہ جھوٹ بولے تو تم لوگ اس کو جھٹلا دینا۔ ابوسفیان کہتے ہیں: اللہ کی قسم اگر جھوٹ بولنے کی بدنامی کا خوف نہ ہوتا تو میں اس موقع پر آپ ﷺ کے متعلق یقیناً جھوٹ بولتا۔

ہرقل نے سوال کیا: تم لوگوں میں اس کا نسب کیسا ہے؟ — میں نے کہا: وہ اونچے نسب والا ہے۔

ہرقل نے کہا: تو کیا یہ بات اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی ہے؟ — میں نے کہا: نہیں۔

ہرقل نے کہا: کیا اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ — میں نے کہا: نہیں۔

ہرقل نے کہا: اچھا تو بڑے لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے یا کمزوروں نے؟ — میں نے کہا: بلکہ کمزوروں نے۔

ہرقل نے کہا: یہ لوگ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟ — میں نے کہا: بلکہ بڑھ رہے ہیں۔

ہرقل نے کہا: کیا اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص اس دین سے مرتد بھی ہوا ہے؟ — میں نے کہا: نہیں۔

ہرقل نے کہا: کیا اس کے یہ بات کہنے سے پہلے تم لوگ اس کو جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟ — میں نے کہا: نہیں۔

ہرقل نے کہا: کیا وہ بدعہدی بھی کرتا ہے؟ میں نے کہا:'' **نہیں** ؛ البتہ ہم لوگ اس کے ساتھ صلح کی ایک مدت گزار رہے ہیں' معلوم نہیں وہ اس میں کیا کرے گا۔'' ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس ایک فقرے کے سوا مجھے اور کہیں کچھ بھی گھسیڑنے کا موقع نہیں ملا۔

ہرقل نے کہا: کیا تم لوگوں نے اس سے جنگ کی ہے؟ — میں نے کہا: جی ہاں۔

ہرقل نے کہا: تو تمہاری اور اس کی جنگ کیسی رہی؟

میں نے کہا: جنگ ہمارے اور اس کے درمیان ڈول ہے۔ وہ ہمیں زک پہنچا لیتا ہے اور ہم اسے زک پہنچا لیتے ہیں۔

---

(۱) الجامع الصحیح لمحمد بن اسماعیل البخاری ج۱ ص٤، صحیح مسلم ج۲ ص۹۸۔۹۹۔